تفسیر سورۂ فاتحہ

از حضرت سید احمد شہیدؒ

(مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی)

ایک روز تفسیر رفیعی[1] کی تلاش میں انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں جانا ہوا۔ کتب خانہ کی قلمی فہرست دیکھی تو سورۃ الحمد کی تفسیر پر نظر پڑی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام سے فہرست میں درج تھی بڑا جی خوش ہوا۔ فوراً نکلوا کر دیکھا اور افادۂ عام کی غرض سے اس کو نقل بھی کر لیا۔

---

[1] "تفسیر رفیعی" یہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی اردو زبان میں سورہ بقرہ کی تفسیر ہے جو موصوف کے تلمیذ خان سید نجف علی المعروف بفوجدار خاں نے شاہ رفیع الدینؒ سے درس قرآن کے موقع پر قلم بند کی تھی۔ واضح رہے یہ سید نجف علی وہ سید نجف علی جھجری نہیں ہیں جن کی تصانیف سے فیض روح قدسی یادگار ہے جس میں سید احمد، شاہ اسمٰعیل اور شاہ اسحاق رحمہم اللہ کے حالات مذکور ہیں۔

تفسیر رفیعی موصوف کے فرزند سید عبد الرزاق نے مطبع نقش بندی سے ۱۲۷۲ھ میں شائع کی تھی اس کا دیباچہ شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں تاریخی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

"تفسیر مولانا رفیع الدین در متن و بر حاشیہ تفسیر مولانا یعقوب چرخی،

از اہتمام سید عبد الرزاق در مطبع نقشبندی طبع گرفت ۱۲۷۲ھ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وشفیع المذنبین وعلی الہ واصحابہ اجمعین اما بعد۔

کہتا ہے خاکسار میر عبد الرزاق بن سید نجف علی خان المعروف بفوجدار خاں غفر اللہ ولوالدیہ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

سیّد احمد شہیدؒ کی مذکورۂ بالا تفسیر بعض وجوہ سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ تفسیر سورۂ فاتحہ سیّد احمد شہیدؒ کی زندگی میں رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ۱۲۳۷ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی جیسا کہ خاتمۃ الطبع کی عبارت سے ظاہر ہے وھو ہٰذا۔

" الحمد للہ کہ تفسیر الحمد للہ کی ہندی زبان میں جو حضرت رئیس المومنین امام العارفین سیّد المسلمین ۷۳ قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سیّد احمد صاحب نے۔ نفع پہنچائے اللہ ہم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو ان کی بقا سے اور زاید کرے فیض اور ارشاد ان کا۔ آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری و باطنی جناب مولانا عبد الحیٔ صاحب دام فیضہٗ سے تحریر کروائی۔ اور حقیقت صلوٰۃ کی جو بیان نماز پنجگانہ ہے اور کئی فائدوں کے ساتھ جسے ایک فاضل کامل نے حضرت پیر و مرشد کے مریدوں میں سے حضرت کی زبان اقدس سے سن کی ہندی زبان میں لکھا ہے اہتمام سے عاصی پیر خاں اور واثق علی کے جناب مولوی محمد علی صاحب کی تصحیح سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کہ والد بزرگوار میری نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول و منقول خلاصۂ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر اس کو آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا" اسی صورت سے تفسیر سورۃ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا" اس واسطے کہ نام مبارک ان کا بھی رفیع الدین ہے اور حاشیہ پر دوسرے تفسیر مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ بہت معتبر اور جامع اور نادر و کمیاب ہے کہ آج تک ان دونوں کا چھاپا نہیں ہوا تھا اس عاجز نے واسطے فائدے خاص و عوام کے چھپوایا کہ سب بھائی اس سے فائدہ دارین کا اٹھاویں اور اس خاکسار کی حق میں دعا خیر کریں، الٰہی بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب بھائی مسلمانوں کو اور اس نسخہ کو رواج دے آمین یا الہ العالمین "

مولوی بدر علی صاحب کے چھاپے خانے میں خاص و عام کے فائدے کے واسطے چھاپے ہوئے تھے اگر عالی ہمت کسی مقام پر عبارت محاورے کے مخالف پاویں تو زبان طعنے کی دراز نہ کریں ختم کیونکہ مقصود چھاپنے سے محض خیر خواہی جماعت مسلمین کی اور بہتری خواص و عوام مومنین کی ہے نہ آرائش الفاظ کی، لہذا جو قلمی مولوی صاحب ممدوح کا تھا اگرچہ بعض مقام پر خلاف محاورہ ہووے بعینہ جمادی الآخرہ کی بائیسویں تاریخ سنہ ۱۲۳۷ھ میں علی ہاجرہا الصلوٰۃ والسلام طبع ہوا ص۴۵"

اوّل، تفسیر سورۃ فاتحہ کی یہ تقریر سنہ ۱۲۳۵ھ میں ایک مرتبہ سید احمد شہیدؒ نے لکھنؤ میں بھی چند جید علماء کے سامنے کی تھی اور وہ بھی اس سے بہت متاثر تھے چنانچہ لکھنؤ کے نامور عالم مفسر قرآن اور صاحب تذکرۂ علماء ہند بزبان عربی مولانا محمد اشرف بن نعمۃ اللہ لکھنویؒ المتوفی سنہ ۱۲۴۴ھ کا تبصرہ جو ان کے شاگرد مولوی عارف شاہ دکنی کے حوالہ سے شیخ عبدالرحیم ضیا نے ان سے نقل کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے:-

" مولوی عارف شاہ صاحب نے جو اس شہر (حیدرآباد دکن) میں مغتنمات سے ہیں، مجھ سے بیان کیا کہ لکھنؤ میں مولوی محمد اشرف صاحب بڑے باعمل فاضل اجل نہایت متقی پرہیزگار یگانہ روزگار میرے استاد تھے قضائے الٰہی اُن کا انتقال ہوا بعد چندے ایک روز میں مولوی اصغر صاحب کی خدمت میں بیٹھا تھا اور بھی لوگ حاضر تھے اُس وقت مولوی محمد اشرف صاحب کے کمالات کا ذکر آیا ہر ایک نے جو جو وصف اُن کا یاد تھا بیان کیا ایک صاحب نے اُن میں سے کہا کہ ہاں ایسے ہی بزرگ تھے مگر اُنھوں نے معلوم نہیں کیا سمجھ کے سید احمد صاحب کے مرید ہو لئے کیونکہ

ل موصوف کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر ج۔ ۷ ص۴۲۶ نیز مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر سے ان کا تذکرہ سیرت سید احمد شہیدؒ طبع سوم لکھنؤ سنہ ۱۳۶۸ھ ص۱۳۸ میں مختصراً منتقل کر دیا ہے۔ مولانا اشرف نے سید احمد شہیدؒ سے ان یام گاہ پر بروز جمعہ بیعت کی تھی۔ دیکھو کتاب مذکور، اور سید احمد شہید ص۱۴۹ میں مولانا مہر موصوف کے متعلق رقم طراز ہیں (موصوف) تاج اللغات کی ترتیب میں شریک رہے ۔ سنہ ۱۲۴۴ھ میں مرض ہیضہ وفات پائی اور اپنی مسجد واقع بھوانی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

وہ تو ایک اَن پڑھ آدمی تھے۔ مولوی اصغر صاحب[1] نے کہا کہ ہاں مجھے بھی ایسا ہی خیال تھا اور مجھ کو مولوی اشرف سے تیس[۳۰] سال تک برابر ملاقات رہی کبھی اُن سے جھوٹ نہیں سُنی۔ ایک روز میں نے اُن کی مریدی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ جب جناب سید احمد صاحب یہاں تشریف فرما ہوئے اور اُن کی رکاب برداری میں بڑے بڑے فاضل و کامل مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا عبدالحیّ جیسے لوگ تھے تو مجھے بھی سید صاحبؒ کی ملازمت کا اشتیاق ہوا۔ جاکر مشرف ہو کر بیعت سے بھی سرفراز ہوا۔ اُسی دن مجھے دو فائدے ہوئے۔

ایک تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر اُنھوں نے ایسی بیان کی کہ میں نے باوجود کئی تفسیروں کے مضمون یاد رہنے کے کبھی نہ سُنی تھی۔

دُوسرا اُسی شب کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت شریف سے مشرف کیا (گیا) اور جو جو فیض و برکت مجھ کو حاصل ہوا اُس کا کیا بیان کروں[2]"

جناب مولانا مہر نے "سید احمد شہیدؒ" پر "بیعت" کے عنوان سے یوں لکھا ہے:

" اس موقع پر جن اکابر و عمائد نے بیعت کی ان میں سے خاص طور پر قابلِ ذکر مندرجہ ذیل اصحاب ہیں: مولانا محمد اشرف، مولوی میر مخدوم، مولوی امام الدین بنگالی مولوی امام الدین لکھنوی، مولوی عبدالباسط (شاگرد مولانا اشرف) ...... اس موقع پر مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے بیعت کی۔ یہ تعلیم کی غرض سے لکھنؤ آئے ہوئے تھے اور مولانا محمد اشرف کے پاس پڑھتے تھے کہ ایک روز اُستاد نے شاگرد کو سید صاحب کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے بھیجا جب انھوں نے جاکر پُورے حالات بیان کئے تو ملاقات کا شوق پیدا ہوا تخلیہ میں ملنے کے لئے وقت مقرر کرایا۔ اُستاد شاگرد

---

[1] یہ بظاہر محمد اصغر بن اکبر علی لکھنوی المتوفی ۱۲۸۶ھ معلوم ہوتے ہیں موصوف کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی طبع دکن ۱۳۷۹ھ۔ جلد ۔ ۷ ص ۴۲۸

[2] ملاحظہ ہو مقالات طریقت معروف بہ فضائل عزیزیہ، مطبع متین حیدرآباد دکن ۱۲۹۲ھ۔ ص ۲۱۶، ۲۱۷۔

دونوں پہنچے سید صاحبؒ نے دو گھنٹے تک وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کی تفسیر ایسے پُرتاثیر انداز میں بیان فرمائی کہ اُستاد، شاگرد دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا اسی وقت دونوں نے بیعت کر لی[۱]۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے مجمع میں سید شہیدؒ نے سورۃ فاتحہ پر تقریر کی ہو اور خلوت میں آیت پاک وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کی تقریر فرمائی ہو اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ ایک ہی مجلس میں مذکورۃ بالا آیت اور سورۃ فاتحہ پر تقریر کی ہو۔ ایک شخص نے سورۃ فاتحہ کا ذکر کیا اور دوسرے نے آیت پاک وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کا تذکرہ کر دیا ورنہ پھر میں نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ زیادہ قابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس کی سند متصل اور راوی معتبر ہیں۔

دومؔ یہ تفسیر اپنی سلاست اور روانی میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی موضح القرآن کے بعد اُردو زبان میں دُوسری کوشش ہے۔

سوم، شاہ عبدالقادرؒ نے موضح القرآن میں جس طرح ایجاز سے کام لیا ہے اسی طرح سید شہیدؒ نے بھی اس تفسیر سورۃ فاتحہ میں اطناب (مضامین سورت کو زیادہ پھیلا کر بیان کرنے) سے گریز کیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا موصوف نے کم از کم الفاظ میں ہر آیت کا پورا مفہوم و مطلب صحت کے ساتھ ادا کیا ہے، اسی وجہ سے اُمّ القرآن کی یہ تفسیر مختصر ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شہیدؒ کی طبیعت ایجاز پسند تھی۔ تصوّف کے موضوع پر صراط مُستقیم جو حضرت موصوف کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس امر کی بیّن دلیل ہے۔

سید شہیدؒ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ و تفسیر موضح القرآن کی طرح ریختہ کے بجائے ہندی یعنی مروجہ ہندوستانی میں لکھی تاکہ ہر شخص اس کو بآسانی سمجھ سکے چنانچہ طابع و ناشر نے آخر کتاب[۲] میں اس امر کی تصریح بھی کر دی ہے۔

اُردو زبان کے بعض ناقدوں اور ادا شناسوں کی نگاہ اس دقیق فرق تک نہیں گئی ہے وہ

---

[۱] ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۲ء ص ۱۶۹۔

دہلوی، زبان ہندوستان، ہندوی، ہندی، ریختہ کو اُردو ہی کے مختلف نام سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اُردو کو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے چنانچہ برجموہن دتاتریہ کیفی، کیفیہ میں رقم طراز ہیں :-

" اُردو کے نام دہلوی، زبان ہندوستان، ہندوی، ہندی، ریختہ اور ہندوستانی وغیرہ ناموں سے اردو، مختلف اوقات میں پکاری جاتی رہی ہے، ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی شخص اُردو کو کئی نام دیتا ہے[1] "

ان دقیقہ رس مفسرین نے زبان کے اس قابل قدر فرق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا، ریختہ اور ہندی کے فرق کی بھی مختصر الفاظ میں خوب وضاحت کی ہے چنانچہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :-

" شاہ صاحبؒ (عبدالقادرؒ) نے یہاں (مقدمہ موضح القرآن میں) ریختے اور ہندی متعارف میں (بایں الفاظ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف کا عوام کو بے تکلف دریافت ہو) جو فرق کیا ہے وہ قابلِ قدر ہے ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آج کل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس ترجمے (اور تفسیر) کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں[2] "

سید شہیدؒ نے بالکل بول چال کی زبان استعمال کی ہے اور روزمرہ کو نہیں چھوڑا ہے اس میں تصنع اور لفاظی نہیں ہے ہندی کے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو عام فہم ہیں اور اس دور میں محاورے میں رچ بس گئے تھے۔

یہ تفسیر موضوع اور اندازِ بیان دونوں اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے اس میں آج بھی ایسی شگفتگی اور دلآویزی موجود ہے جو قدم قدم پر دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے

---

[1] ملاحظہ ہو کیفیہ (اُردو زبان کی مختصر تاریخ) طبع دوم شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان. کراچی سنہ ۱۹۵۰ء ص ۳۲

[2] پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر، رسالہ اُردو سنہ ۱۹۳۶ء۔

چہارم، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو دینی باتوں کے سمجھانے کے لئے عام فہم سلیس اور ٹھیٹ اُردو میں مختصر رسالے لکھنے کی داغ بیل سب سے پہلے سید احمد شہیدؒ ہی نے ڈالی تھی، انہی کی روش ان کے خلفاء اور مریدان باخلاص شاہ اسماعیل شہید، مولانا خرم علی بلہوری المتوفی ۱۲۷۳ھ اور اولاد حسن قنوجی المتوفی ۱۲۵۳ھ رحمہم اللہ نے اختیار کی اور روزمرہ کی سادہ اُردو میں مفید مفید رسالے لکھے۔

پنجم، تفسیر سورۂ فاتحہ سے سید احمد شہیدؒ کے اندازِ بیان اور طرزِ ادا کا پتہ چلتا ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ موصوف کے اندازِ بیان میں صاحب موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ دہلوی کے اندازِ بیان اور طرزِ ادا کا اثر غالب ہے موصوف کی زبان شاہ صاحبؒ کی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے، یہ دراصل شاہ صاحبؒ کی ہم نشینی اور اکبرآبادی مسجد میں ہمہ وقت حاضری کا اثر ہے چنانچہ سرسید احمد خاں کا بیان ہے :۔

"اوائلِ حال میں شوق طالب علمی میں وطن سے وارد شاہجہان آباد ہو کر حضرت بابرکت مولانا عبدالقادر علیہ الرحمۃ کی خدمت سراسر افادت میں حاضر ہو کر مسجد اکبرآبادی میں فروکش ہوئے اور صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا ازبس کہ ذوق درویشی اور مسکینی طینت میں پڑی ہوئی تھی اکثر خدمتِ مسجد اور اس مقام کے واردوں خصوصاً درویشان پاک طینت کی دور دراز سے تحصیل علم باطنی کے شوق میں جناب مولانا عبدالقادر صاحب مغفور موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے خاطرداری اور سرانجام مہام میں ایسے بدل سرگرم ہوتے گویا اس امر کو اہم مہام سمجھے ہوئے تھے[1]"

شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے زیر تربیت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ دونوں ہی رہے ہیں اور دونوں کو موصوف سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ سید صاحبؒ نے ابتدائے حال میں جہاں موصوف سے معرفت و سلوک میں اکتساب فیض کیا وہاں پاس رہنے سے زبان کا مذاق بھی نکھرا، تحریر اور تقریر دونوں میں اُستاد کا طرز نمایاں ہوا سید شہیدؒ اور شاہ شہیدؒ دونوں کو روزمرہ، سادہ،

---

[1] آثار الصنادید صہ ۱۶ طبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۳ھ

سلیس اور عام فہم زبان لکھنے اور حقائق ومعارف کے دریا بہانے میں خاص امتیاز حاصل ہے تاہم طبیعتوں کا فرق اندازِ بیان میں بھی نمایاں ہے، شاہ شہیدؒ کے لہجہ میں تیزی ہے ان کے یہاں نرمی، شاہ شہیدؒ کی تحریریں دریا کا سا تلاطم ہے اور ان کی تحریریں سمندر کا سا سکون، شاہ شہیدؒ کی تقویۃ الایمان اور سید شہیدؒ کی تفسیر کو سامنے رکھ کر توحید پر دونوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا موازنہ کر لیا جائے حقیقتِ حال واضح ہوجائے گی۔

ان رسالوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ سید احمد شہیدؒ اور ان کے خلفاء نے جہاں اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے وہاں ان خاصان خدا نے اُردو زبان کو بھی بڑی ترقی دی ہے چنانچہ غدر سے پیشتر عام طور پر فارسی لکھنے کا رواج تھا۔ انھوں نے اِسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے جو زبان اختیار کی وہ اُردو تھی اور پھر کمال یہ ہے کہ احکام الہٰی کے لئے جتنی سادہ اور سہل زبان لکھی جاسکتی تھی وہی انھوں نے لکھی ہے۔ اس تفسیر کو لکھے ڈیڑھ سو برس کا عرصہ ہونے آیا، زبان اگرچہ پرانی ہوچکی تاہم آج بھی اوپری نہیں معلوم ہوتی۔ اندازِ بیان بڑا دل نشین ہے۔ سید احمد شہیدؒ کی یہ تفسیر اُردو میں سہل ممتنع ہونے کے لحاظ سے اپنے طرز کی پہلی اور آخری تفسیر ہے جو افادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہے پڑھئے اور لُطف لیجئے،

یہ تفسیر آج سے پُورے ایک سو پینتالیس[۱۴۵] برس پہلے نستعلیق ٹائپ میں چھپی تھی الفاظ کا املا جیسا اس میں تھا ہم نے بھی اس کو ویسا ہی رکھا ہے مثلاً اُس کا املا "اوس" بڑا کا املا "برا" اور اِدھر "اودھر" اس میں کسی قسم کا کوئی تغیّر نہیں کیا ہے۔ طابع اور ناشر نے پرانے دستور کے مطابق کہیں سطر نہیں بدلی تھی ہم نے جہاں سے مضمون بدلا ہے نئی سطر شروع کردی ہے اور املا میں کوئی تغیّر نہیں کیا۔"

(چشتی)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سورۂ فاتحہ

اس سورے میں اللہ نے دُعا کی طرح بتلائی، اور اللہ کے بتلائے برابر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا، اس واسطے یہ سورت بڑی بزرگی رکھتی ہے۔

اور دُعا یوں دستور ہے۔ ہر کوئی جانے ہے کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج بے مقدور ہیں

پر سوال کرنے میں جو آدمی سخی کریم باہمّت اور بامقدور ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں جتنا تفاوت آدمیوں میں اوصاف سے ہوتا ہے اتنا ہی سوال کرنے میں فرق پڑتا ہے، جس میں سخاوت نہ ہو اس سے نہیں مانگتے اور جو سخاوت رہو پر ترش روئی بھی ہو تو اس سے بھی مانگنے میں پرہیز کرتے ہیں. اور جو ترش رو بھی نہ ہو بہت خلق ہو پر دینے کے پیچھے اتروائے، جتلاوے، منت رکھے، اس سے بھی مانگنا اچھے آدمیوں کو سخت بھاری ہوتا ہے. اور جو بے مقدور ہو تو اس سے مانگنا ہی نہیں ہو سکتا. اور جتنے یہ اوصاف کمال پر ہوں اتنا مانگنا اس سے خوب ہوتا ہے یہاں تک کہ مانگنا عزت ہو جاتا ہے. اور سوال کرنے میں آدمی اوّل وہ صفتیں اور خوبیاں بیان کرتا ہے کہ جس سے سوال رد نہ ہو، اور ایسا کہتا ہے کہ جس سے سوال کرے وہ بھی مان لے اور اقرار کرے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور تیرا کہنا سچ ہے تو بھی دل کے اعتقاد سے کہتا ہے، جب یہ سب ہو کر سوال ہوتا ہے تو ہرگز وہ سوال رد نہیں ہوتا بلکہ سوال کرنا واجب ضرور ہو جاتا ہے. ایسے سخی کریم سے. اور اس سے ملنا بھی ایسا یقین ہوتا ہے جیسا اپنے ہات میں لے لیا. جب آدمی کا احوال معلوم کرے کہ آدمیوں میں ایسا ہو پھر اللہ کی ذات پاک کو کہ جس کی تمثیل نہیں ہو سکتی سمجھے اور مالک خالق اور مخلوق کا فرق لوجھے کہ جب بندہ مخلوق ایسا ہو تو وہ مالک خالق کس درجے میں ان خوبیوں کے ہے، ان خوبیوں کو سچے دل سے سمجھ کر کہے ایسا کہ اُدھر سے جواب پاوے سچ یوں ہی ہے اور تیرا کہنا سچا ٹھیک ہے، پھر اس کے پیچھے سوال ضروری ہے اور اُس کا رد نہیں ہوتا، لابدّ ہی قبول ہوتا ہے/ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کمال اس سورے میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمایا تو کہ حضور دل سے سمجھ کر ایسا کہیں کہ جواب پاویں، اور سوال کریں اور ایسی صفتیں اللہ کی بیان کریں کہ دل میں تہ نشین ہو جاوے کہ ایسے اوصاف والے کی درگاہ میں ہرگز سوال رد نہیں ہوتا، ان وصفوں میں پہلے الحمد للہ ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام خوبیاں اُسی کی ہیں غیر کی نہیں، فی الحقیقت وہی ہے خوبیوں والا اس میں سب خوبیاں آگئیں، پھر اس کے پیچھے کئی خاص وصفوں کو بیان کیا کہ جن سے بندے کے دل میں حضوری اور بڑی محبت بہت چمک جاوے، اور سوال کی تمہید جیسی چاہیئے ویسی ہی دل میں مضبوط ہو، یہ اُس کو ہے جو سمجھ کر کہے اور جو غفلت کرے وہ اس نعمت سے رہ جاوے حاصل ہوتا ہے کہ سوال مانگنا ایسا ہو / کہ ضرور قبول ہو جاوے، خوبیوں کے بیان کرنے سے، اور مالک کے اقرار

سے کہ ہاں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے کیا بڑا اس کا کرم ہی کہ اُس نے آپ ہی بندوں کو سکھلایا کہ کہیں

الحمد للہ

سب حمد اللہ ہی کو ہے

" حمد " کہتے ہیں نیکی اور تعریف خوب کرنے کو مُسلمان آدمی جب اُس کو کہیں تب چاہیئے کہ اُس کو تحقیق اسی طور پر سمجھ لیں، اور اللہ کے سامنے اس مضمون کو کہ جیسے منہہ سے مجمل کہا ہے مفصل سمجھیں، اور دل میں یقین لاکر اللہ کے حضور اس مفصل کو اپنے اعتقاد موجب اثبات پہنچا دیں۔
اور اثبات کرنے کی طرح دل میں یہ ہے کہ جس کی تعریف کو خیال کرے سمجھے کہ اللہ ہی کی فی الحقیقت
یہ تعریف ہے مثال اس کی جیسا کسی خوب صورت کو جو بڑے درجے کا خوب صورت ہو / دیکھے اور ٣١
اُس کے حُسن کی تعریف کرے تو غور کرے کہ اس کی تعریف جو میں کرتا ہوں اس کا حُسن اس کے قابو کا نہیں اور اس نے اپنا حُسن آپ نہیں کر لیا یہ اللہ نے اپنے کرم سے بنایا وہ اس کا خالق ہے فی الواقع حُسن کا مالک وہی ہے اور تعریف اُسی کی چاہیئے، اُس آدمی کی تعریف کرنی ایک طرح کی غفلت ہے ہرچند درست ہے۔ اور اسی طور پر حُسن کی تعریف کسی چیز پر ہووے سخاوت پر یا شجاعت ٣٣
پر سب میں یہی بات سمجھے کہ اللہ ہی کی یہ چیز ہے تو اللہ کی تعریفوں کا لحاظ کرے کہ بے شمار ہیں، اور جس بندے میں کوئی وصف ہے سو وہ اسی کی ایک ادنا بخشش ہے کہ اُنہے اپنے بندے کو ایک تعریف کی چیز دی ہے۔

ربّ العالمین

پرورش کرنے والا ہے سارے جہانوں کا

سوا خدا تعالیٰ کے / جو چیز کہ عالم میں ہے سب کی پرورش وہی کرتا ہے۔ پرورش کچھ کھانے ٣٢
پینے پر ہی موقوف نہیں، کھانا پینا بھی ایک پرورش ہے" فرشتوں کی پرورش " یہ ہے کہ اللہ ان پر ایسی عنایت فرماتا ہے کہ جس سے ان کا کمال بڑھ جاوے اور خوشی زیادہ حاصل ہو، سو پرورش سے وہ بھی خالی نہیں، جیسے کوئی کسی آدمی کو ایسا خوش کرے یا اُس پر مہربانی فرمانے کہ وہ آدمی اُس کے سبب تازہ فربہ ہو جاوے یہ کھانا دینے سے بہتر ہے اور بڑی پرورش ہے، اللہ کی عنایت اسی طور پر

ہوتی ہے فرشتوں کی پرورش یوہنی کرتا ہے۔

"رب العالمین" کا وصف بڑا وصف ہے کیونکہ وہ پرورش کرتا ہے تمام جہانوں کی کہ جن کا کچھ پایاں نہیں، دوست دشمن بھلے بُرے کو بھوکوں کو بغیر سوال کے/ پالتا ہے، جو ایسا رب ہو تو وہ البتہ سوال قبول کرتا ہے۔

فائدہ: جب مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اُس کی تعریف ایسی کرے کہ اُسے دل سے سمجھے اور ٹھیک جانے کہ اسی طور پر ہے اس میں کچھ تفاوت نہیں فی الحقیقت وہ ایسا ہی ہے، تو اللہ اُس پر متوجہ ہو کر اس کا جواب آپ ارشاد فرماتا ہے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور اُس بندے کو بھی جتاتا ہے، اس جواب پر ہر ایک بندہ اپنے مرتبے کے موافق یا کلام سنتا ہے یا اُسے الہام ہوتا ہے یا دل کو تسکین اور قرار اور خوشی اللہ کے متوجہ ہوتی ہے اور قبول کرنے کی پائی جاتی ہے، حضور دل سے سمجھ کر سوال کرنے کے سبب یہ بات ہوتی ہے اس میں تفاوت نہیں ہوتا۔

الرّحمٰن الرّحیم

بہت رحم والا ہمیشہ کو رحم کرتا ہے

۳۴ جو شخص کہ رحم اور پرورش کرتا ہے اور اُس سے ہر کوئی وقت بیوقت مانگے تو گھبرا جاتا ہے اور کبھی کبھی خفا ہو کر سخت کہنے لگتا ہے اور جھنجلاتا ہے، اللہ کا ایسا رحم اور ہمیشہ بہت اور ہمیشہ ہے کہ اس کو کبھی کسی کے مانگنے اور پرورش کرنے سے خفگی اور جھنجلاہٹ نہیں آتی، جتنا کوئی مانگے وہ اتنا خوش ہو، اسی لئے اُس نے الرحمٰن الرحیم فرمایا۔

مالک یوم الدّین

مالک ہے جزا کے دن کا

جزا کا دن قیامت ہے اور اللہ کی مالکیت ہمیشہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا میں بظاہر اور بھی مالک کہلاتے ہیں گو وہ مالکیت عاریت اور ناپائیدار ہے کیونکہ اصل مالک اللہ ہی ہے لیکن قیامت میں یہ عاریت کی مالکیت بھی اُٹھ جاوے گی/ جیسے کوئی شخص کہ کسی زمیندار کی زمین میں رہتا ہے، اور اس کا رعیّتی ہو تو وہ شخص اس زمیندار کے غائبانہ باقی رعیت کے سامنے اپنے تئیں اس زمین کا مالک کہتا ہو تو وہ شخص جب زمیندار کے سامنے جاوے گا تب آپ

کو ہرگز مالک نہ کہے گا اور وہ زمین اپنی نہ بتلاوے گا بلکہ اس زمیندار کے روبرو یوں کہے گا کہ میرا جان اور مال اور جورو اور لڑکے سب تمہارے ہی ہیں، اور یہی حال ہوگا اس زمیندار کا وہاں کے راجہ کے سامنے اور اُس راجہ کا کسی نواب کے روبرو اور اُس نواب کا کسی بادشاہ کے سامنے۔ قیامت کو سب کا حال اس سے زیادہ ہوگا مالک حقیقی کے سامنے۔ سو اِس طرح اللہ کی مالکیت اور بادشاہی اُس دن

۳۶ آشکارا ہوگی اور سب پر کھلے گی، سب اُس کی مالکیت کا اقرار کریں گے کیونکہ اُس کے حضور ہوں گے۔ اور ہر بات پر اللہ کی طرف سے جواب ہوتا ہے جیسا اس کا بیان پہلے لکھا گیا، جب یہ تعریف اور خوبیاں اللہ کی کرے تو اللہ سے اُس کو جو معاملہ ہے سو کہے کہ

ایاک نعبد

تجھی کو پوجتے ہیں ہم

یعنی عبادت نری اللہ کی ہے، عبادت اصل میں "تعظیم" کا نام ہے تعظیم کی دو طرح ہے، ایک وہ کہ خاص اللہ نے خاص اپنے واسطے مقرر کی جیسے نماز، روزہ، حج۔ نماز کسی کے لئے نہ پڑھے روزہ کسی کے واسطے نہ رکھے سوا خدا کے، اور جو کوئی سوا خدا کے اور کے واسطے کچھ بھی کرے شرک ہوتا ہے۔ اور اُس کے سوا تعظیم کرنی اُس کو بھی اللہ کے واسطے ایک طرح خاص جانے کہ اللہ کے حکم سے کرتا ہوں، ماں

۳۷ باپ کی تعظیم اور خدمت سب اللہ کے حکم سے بجالاوے کہ اللہ کی مرضی ہے اس واسطے کرتا ہوں، اس وجہ سے ساری تعظیم کی صورتیں اللہ کی ہو جاتی ہیں خاص کر۔

و ایاک نستعین

اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں ہم

"اعانت" کا بھی حال عبادت کا سا ہے ایک اعانت وہ ہے کہ اللہ کے ساتھ خاص ہے جیسے رزق اولاد بزرگی مانگنی کسی سے یہ چیزیں مانگنی درست نہیں ہے، اور کسی کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں، اور ایک اعانت ایسی ہے کہ ظاہر ایک آدمی دوسرے سے چاہتا ہے جیسے پانی مانگنا، کھانا پکوانا اُس کو بھی اللہ کے حکم سے جانے تو یہ بھی استعانت اللہ سے ہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہم اعانت چاہتے ہیں وہ بھی اللہ کی اعانت ہے جیسے کوئی امیر کہہ دے کہ پانی میرے خدمت گاروں سے مانگ لیجو اور کھانا ان سے پکوا لیجو، پھر اُن خدمت گاروں سے یہ کام لینے، اُس امیر کی اعانت ہے، اسی طرح

سے کہ ہاں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے کیا بڑا اس کا کرم ہی کہ اُس نے آپ ہی بندوں کو سکھلایا کہ کہیں

الحمد للہ

سب حمد اللہ ہی کو ہے

" حمد "کہتے ہیں نیکی اور تعریف خوب کرنے کو مُسلمان آدمی جب اُس کو کہیں تب چاہیئے کہ اُس کو
تحقیق اسی طور پر سمجھ لیں، اور اللہ کے سامنے اس مضمون کو کہ جسے منہہ سے مجمل کہا ہے مفصل
سمجھیں، اور دل میں یقین لاکر اللہ کے حضور اس مفصل کو اپنے اعتقاد موجب اثبات پہنچا دیں۔
اور اثبات کرنے کی طرح دل میں یہ ہے کہ جس کی تعریف کو خیال کرے سمجھے کہ اللہ ہی کی فی الحقیقت
یہ تعریف ہے مثال اس کی جیسا کسی خوب صورت کو جو بڑے درجے کا خوب صورت ہو/ دیکھے اور ۳۱
اُس کے حُسن کی تعریف کرے تو غور کرے کہ اس کی تعریف جو میں کرتا ہوں اس کا حُسن اس کے قابو
کا نہیں اور اس نے اپنا حُسن آپ نہیں کر لیا یہ اللہ نے اپنے کرم سے بنایا وہ اس کا خالق ہے فی الواقع
حُسن کا مالک وہی ہے اور تعریف اُسی کی چاہیئے، اُس آدمی کی تعریف کرنی ایک طرح کی غفلت
ہے ہر چند درست ہے۔ اور اسی طور پر حُسن کی تعریف کسی چیز پر ہووے سخاوت پر یا شجاعت ۳۴
پر سب میں یہی بات سمجھے کہ اللہ ہی کی یہ چیز ہے تو اللہ کی تعریفوں کا لحاظ کرے کہ بے شمار
ہیں، اور جس بندے میں کوئی وصف ہے سو وہ اسی کی ایک ادنا بخشش ہے کہ اُنّے اپنے بندے کو
ایک تعریف کی چیز دی ہے۔

ربّ العالمین

پرورش کرنے والا ہے سارے جہانوں کا

سوا خدا تعالیٰ کے/ جو چیز کہ عالم میں ہے سب کی پرورش وہی کرتا ہے۔ پرورش کچھ کھانے ۳۲
پینے پر ہی موقوف نہیں، کھانا پینا بھی ایک پرورش ہے" فرشتوں کی پرورش" یہ ہے کہ اللہ ان پر ایسی
عنایت فرماتا ہے کہ جس سے ان کا کمال بڑھ جاوے اور خوشی زیادہ حاصل ہو، سو پرورش سے
وہ بھی خالی نہیں، جیسے کوئی کسی آدمی کو ایسا خوش کرے یا اُس پر مہربانی فرماتے کہ وہ آدمی اُس کے
سبب تازہ فربہ ہو جاوے یہ کھانا دینے سے بہتر ہے اور بڑی پرورش ہے، اللہ کی عنایت اسی طور پر

ایک بادشاہ نے فرمایا ہو کہ میرے فلانے غلام کی ایسی تعظیم کیجیو اس غلام کی تعظیم بادشاہ کی تعظیم ہے اس وضع سے "عبادت" بہ معنی تعظیم کے اور "اعانت" خاص خدا کے لئے سمجھے تو اس کہنے والے کا ایسا حال ہو جاتا ہے جیسے کسی کا غلام کہ ہرگز اور در پر نہیں جاتا اور کسی سے کچھ نہیں مانگتا گو بھوک تکلیف میں مرے پر اس در سے نہ ٹلے اور ثنا صفت اپنے مالک کی کرے۔ ایسے غلام پر کتنا ہی مالک سنگدل بخیل ہو اس کے دل کو بھی جوش اور رحم آ جاتا ہے، اگر کہیں سے اس مالک کو نہ میسر آوے تو ایسے
غلام کے لئے چاہتا ہے کہ کسی سے مانگ ہی دوں / جب اللہ کی ثنا صفت کر کر بندہ یہ کہتا ہے کہ ٣٩
تیری تعظیم کرتا ہوں تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور اس کو دل میں جانچ لے کہ یونہی ہے، اور اللہ اس کے مطابق اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کا سچا ہونا فرماتا ہے جیسے پہلے بیان گزرا تو خود اللہ اس بندے کی طرف بڑا فضل کرتا ہے، اور جس میں اس کی خوبی اور کمال ہو وہ آپ عنایت فرماتا ہے، پر اللہ نے آپ ہی اپنے کرم سے بتلایا کہ مجھ سے مانگا کرو یہ سب مضمون کہہ کر کر ایسے مضمون کے پیچھے ایسے سائل کی دعا اور سوال کو نہیں رد کرتا ہے۔ خدا کے کرم کا تو کچھ پایاں نہیں وہ کیوں رد کرے گا اور وہ دعا یہ بتلائی کہ

اهدنا الصّراط المستقيم

بتلا ہم کو راہ سیدھی

"صراط مستقیم" سے / اللہ کی رضا سمجھنا چاہیئے اور چیز اس مقام پر سمجھنی لائق نہیں اس واسطے کہ جو ٤٠
کوئی کچھ مانگے کتنا ہی خوب سے خوب مانگے اللہ کے خزانوں میں ہزار چند اس سے بہتر ہو سکتا ہے مثلاً کوئی اللہ سے مانگے ایسی بہشت اس طرح کی حوریں مجھے ملیں، اور ان حوروں کے بیان میں خوبیاں اس کے خیال میں گزریں بلکہ جو ساری مخلوق کے خیال میں گزرے وہ سب کہیں اور اس کے مانگنے کے موافق ہیں اس حور کے آگے لونڈی سی ہو جاویں۔ اس واسطے اچھا سوال یہی ہے کہ اس کی رضا مانگئے اپنی تجویز نہ کیجئے، اس کی رضا سے جو ہو گا سو خوب ہو گا۔ اور اپنی تجویز / بہت بہتر سے بہتر بھی کبھی پشیمانی اور پچھتاوا ہو جاتا ہے۔ جب اپنی تجویز سے بہتر چیز اللہ پیدا کرتا ہے اور نظر آتا ہے اس وقت اس تجویز کرنے والے کو پشیمانی آتی ہے کہ میں نے اپنی تجویز سے زیادہ کیوں نہ مانگا، اس لئے اصل مانگنا اس کی رضا کا ہے جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندے سے راضی ہو جو چاہے اور جو گمان